ڈاکٹر مظفر عباس

دیباچۂ قرآن حکیم

دیباچے کے لغوی معنی تمہید کے ہیں۔ عربی میں اس کا مترادف لفظ "مقدمہ" ہے۔ جو مقدمۃ الجیش سے لیا گیا ہے، جس کے معنی لشکر کا وہ حصہ ہے جو ہراول کے طور پر آگے بھیجا جاتا ہے۔ تاہم کسی کتاب کے ساتھ جب اس لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے تو یہ تمہید یا آغازِ کلام کے معنوں میں آتا ہے۔ نواب صدر یار جنگ، مولوی حبیب الرحمن خان شیروانی نے اس لفظ کی خوب وضاحت کی ہے، لکھتے ہیں:

"جب آپ کاروبار کے کسی ممتاز مرکز پر گزریں گے تو دیکھیں گے کہ دکانوں کے سامنے کا ایک حصہ سلیقہ اور خوب طریقے سے آراستہ سب سے اول دیدہ نواز ہوگا۔ یہ اپنی طرز ہی سے نگاہ کو اپنی جانب متوجہ کرے گا اور متوجہ ہونے پر جب نگاہ تفصیل کی جویا ہوگی تو وہ بتائے گا کہ آپ کو جو جنس دکان میں ملے گی، وہ کیا ہے۔ بعینہٖ یہی حال کتاب کے مقدمے کا ہے کہ وہ آپ کو دلکش طریقے سے بتاتا ہے کہ کتاب میں کیا ہے۔"[1]

مگر یہاں ذکر کسی عام کتاب اور اس کے کسی دیباچے کا نہیں ہے، اس وقت ہمارا موضوع وہ کتاب ہے کہ جس نے خود اپنا تعارف "ذٰلک الکتاب لا ریب فیہ" کہہ کر کرایا ہے اور اس کتاب کی یہی عظمت اس کے دیباچے پر حاوی ہے۔ قرآن حکیم اسلام کے اصول و عقاید اور اعمال و نظریات کا جامع منشور ہے۔ دنیا و عاقبت کا کوئی موضوع ایسا نہیں جو اس کے دائرے سے خارج ہو، جس کا بین ثبوت خود قرآن حکیم میں جگہ جگہ موجود ہے۔

سورۃ فاتحہ ترتیب کے لحاظ سے قرآن حکیم کی اولین سورت ہے اور اس طرح ترتیبی اور معنوی ہر دو اعتبار سے قرآن حکیم کے دیباچے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سورہ میں قرآن حکیم میں موجود تمام عقاید و نظریات کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ فاتحہ کی فضیلت، مضامین اور مقاصد پر مفصل تبصرے سے پیشتر اس کا تعارف ضروری ہے۔ حضرت امام حسین نے ایک مقام پر اس سورت کی انتہائی جامع و مفصل تعریف کی ہے

---

[1] مقالات عبدالحق (مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی)، طبع اول، کراچی، مقدمہ

جس کے بعد مزید تشریح کی ضرورت نہیں رہتی۔ فرماتے ہیں :

فاعلموا ان لھذا الکتاب المنزل علی الانسان الکامل فاتحہ مسمی م بام الکتاب وجمیع ما فی الکتاب مفصل فیھا مجمل وما فیھا مجمل فی الکتاب مفصل [۲]

پس معلوم کر کہ واسطے کتاب کے جو نازل کی گئی ہے اوپر انسانِ کامل کے، فاتحہ ہے جس کا نام ام الکتاب ہے اور تمام وہ چیز جو بیچ کتاب کے مفصل ہے، بیچ اس کے مجمل ہے اور وہ چیز کہ بیچ اس کے مجمل ہے، بیچ کتاب کے مفصل ہے۔

سورۃ کے تعارف کے بعد آئیے اب ایک نظر اس کا متن بھی دیکھتے چلیے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین ۝ الرحمن الرحیم ۝ مالک یوم الدین ۝ ایاک نعبد و ایاک نستعین ۝ اھدنا الصراط المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیھم ۝ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۝

خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔

سب تعریف خدا ہی کے لیے (سزاوار) ہے جو سارے جہان کا پالنے والا، بڑا مہربان، رحم والا (اور) روز جزا کا حاکم ہے۔ خدایا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ تو ہم کو سیدھی راہ پر ثابت قدم رکھ۔ ان کی راہ جنھیں تونے (اپنی) نعمت عطا کی ہے اور نہ ان کی راہ جن پر تیرا غضب ڈھایا گیا اور نہ گمراہوں کی۔

اس سورۃ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مولانا حافظ فرمان علی نے سات نکات کی نشان دہی کی ہے۔

۱۔ تمام اقسامِ حمد و شکر کا اسی کو مستحق سمجھنا کیوں کہ کل نعمتیں بے واسطہ یا بالواسطہ اسی کی بارگاہ سے عطا ہوتی ہیں۔

۲۔ دنیا و آخرت میں اسی کو سچا مالک اور صاحبِ اختیار جاننا۔

۳۔ تواضع و فروتنی جو اعلیٰ صفتِ اخلاق ہے، اختیار کرنا۔

۴۔ ریا سے جو بہت ذلیل امر ہے بچنا۔

۵۔ ہر کام میں اسی سے مدد چاہنا اور اسی پر توکل رکھنا۔

---

[۲] بحوالہ سورہ فاتحہ — اسلامی انقلاب کا الہامی نصاب (از مولانا غلام اعظم) طبع اول، لاہور ۱۹۸۰ء، ص ۹

۶۔ اچھے کو اچھا اور بُرے کو بُرا سمجھنا، جس سے حسن و قبح کا عقلی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۷۔ اچھے لوگوں کی دوستی و پیروی کرنا اور بُروں سے پرہیز و بیزاری کا اظہار کرنا۔

گویا یہ سورۃ اسلام کے تمام تر عقائد و اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اصول و فروعِ دین کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس کا اجمالاً ذکر اس سورۃ میں موجود نہ ہو۔ اسی اجمال کی تفصیل آگے چل کر قرآنِ حکیم کے تیس پاروں پر پھیلی ہوئی ہے۔

سورۃ فاتحہ کے کم و بیش تیس نام ملتے ہیں[3]۔ ان ناموں میں سے چند اہم نام یہ ہیں — "فاتحۃ الکتاب" "السبع المثانی" "ام القرآن" "الکافیہ" "الکنز" "اساس القرآن" "الصلوٰۃ" "الشفا"۔ لیکن ان ناموں میں فاتحۃ الکتاب کو زیادہ اہمیت حاصل ہے کہ اسی نام سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے پکارا ہے۔ ان تمام ناموں کی وجہ تسمیہ کی تفصیل پر بھی نظر ڈالتے چلیے — عربی زبان میں فتح کے لغوی معنی مشکلیں، بندشوں اور رکاوٹوں کے ہٹ جانے کے ہیں۔ امام راغب نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ — الفتح — ازالۃ الاغلاق و الاشکال"[4] یعنی فتح کے معنی بندشوں اور مشکلوں کا دور ہونا ہے۔ اسی لیے اس کا ایک مفہوم کھلنا بھی ہے۔ فاتحہ اسی لفظ سے مشتق ہے یعنی جس سے کوئی چیز کھلے یا شروع ہو۔ امام راغب ہی کے بقول — فاتحۃ کل شیئ مبدؤہ الذی یفتح بہ مابعدہ یعنی ہر شے کا فاتحہ اس کا مبدا ہے یعنی جس سے وہ شروع ہوتی ہے اور مابعد اس چیز کا اس مبدا سے کھلتا ہے۔ اب اگر فاتحۃ الکتاب کہا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس سے کلام اللہ کے متن کا آغاز ہوتا ہے یعنی کتابِ الٰہی کھلتی ہے اور خود کھلنے کے ساتھ قاری کے سینے کو بھی کھولتی ہے اور قاری شرحِ صدر کے ساتھ بائے بسم اللہ سے والناس کے سین تک پہنچ جاتا ہے اور دارین کی سعادتیں حاصل کرتا ہے۔ فاتحہ کا دوسرا اہم نام "السبع المثانی" ہے۔ یہ نام خود اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۃ حجر میں اس کا تعارف کراتے ہوئے ارشادِ خداوندی ہوتا ہے — ولقد اتیناک سبعا من المثانی والقرآن العظیم (۱۵ : ۸۷) اے پیغمبر! یہ واقعہ ہے کہ ہم نے تمھیں سات دہرائی جانے والی چیزیں

---

[3] ہندوستانی مفسرین اور ان کی تفسیریں (از ڈاکٹر سالم قدوائی) طبع اول، دہلی

[4] مفردات امام راغب

عطا فرمائیں اور قرآنِ عظیم - قرآنِ حکیم کی اس آیت کی تفسیر کے سلسلے میں تمام روایات سے بالاتفاق یہ ثابت ہوتا ہے کہ "سبع مثانی" سے مراد سورۃ فاتحہ ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کہتے ہیں — "سات چیزوں سے مراد سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں اور مثانی اسی کا وصف ہے کہ وہ ہر روز نمازوں میں دہرائی جاتی ہے اور مومن کبھی بار بار دہرانے سے نہیں تھکتا"[۵۵]

"اُمّ القرآن" کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ عربی میں اُم کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو جامعیت رکھتی ہو اور سب سے مقدم و نمایاں ہو۔ چنانچہ سر کے درمیانی حصے کو اُمّ الراس کہا جاتا ہے۔ اسی طرح فوج کے جھنڈے کو بھی اُم کہا جاتا ہے کہ فوج اسی کے نیچے جمع ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ مکرمہ کو اُمّ القریٰ کہتے ہیں یعنی وہ شہر جو نمایاں ہے کہ فضیلتِ کعبہ کی بنا پر مرکزیت کا حامل ہے۔ چنانچہ "اُمّ القرآن" کے معنی یہ ہوئے کہ ایک ایسی سورۃ جو تمام سورتوں میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے اور جامعیت کی حامل ہے۔ "اساس القرآن" کے معنے قرآن کی بنیاد کے ہیں یعنی اس کی بنیاد پر آگے چل کر تفصیلاً مضامینِ قرآن بیان ہوئے ہیں۔ "الکافیہ" ایسی چیز کو کہتے ہیں جو کفایت کرنے والی ہو، یعنی یہ سورۃ تمام قرآن کی کفایت کا اعزاز رکھتی ہے اور "الکنز" اس لیے اس کو کہا گیا ہے کہ کنز خزانے کو کہتے ہیں اور سورۃ فاتحہ سے بڑا خزانہ اور کون سا ہو سکتا ہے جو خالقِ حقیقی نے اپنی مخلوق کو عطا کیا ہے۔ اس عظیم خزانے کی تفصیلات جاننے سے پیشتر اس کے شانِ نزول اور مقامِ نزول کا جائزہ لینا ہوگا۔

سورۃ فاتحہ کے مقامِ نزول کے بارے میں روایات میں اختلاف ہے۔ بعض روایات اسے مکّی قرار دیتی ہیں، بعض مدنی اور بعض کے نزدیک چونکہ یہ دو مرتبہ نازل ہوئی، لہٰذا مکّی بھی ہے، مدنی بھی۔ صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ یہ سورۃ مکّی ہے۔ حضرت علیؓ کا قول ہے: عن علی علیہ السلام قال نزلت فاتحۃ الکتاب بمکۃ — یعنی حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ سورۃ فاتحہ مکہ میں اتری[۵۶]۔ چنانچہ اکثر مفسرین جن میں حافظ سیوطی، ابن جریر اور ابن کثیر شامل ہیں، یہی لکھتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام نے بھی اسے مکّی سورۃ قرار دیا ہے۔ ان کے دلائل یہ ہیں کہ سورۃ حجر میں جو بالاتفاق مکّی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس

---

۵۵ ترجمان القرآن (سندھ ساگر اکادمی، لاہور، طبع اوّل) جلد اوّل، ص ۶۶

۵۶ اسباب النزول للواحدی، ص ۱۲

سورۃ کا ذکر کیا ہے۔ اگر مکہ میں سورہ حمد نازل نہ ہوئی ہوتی تو اس کا ذکر کیوں کر ہو سکتا تھا۔ اس بحث کو سمیٹتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں: اس کے مکی ہونے کے متعلق حضرت علیؓ اور حضرت ابنِ عباسؓ جیسے اجل صحابہ و مفسرین کی تصریحات موجود ہیں۔[۷]

سورۂ فاتحہ کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ قرآنِ حکیم کے تمام احکام و عقائد کی جامع ہے اور اس کے اجمال میں اسلامی منشور کے تبلیغات سے پوشیدہ ہیں جو اہلِ علم و دانش کے لیے چراغ معرفت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی لیے حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سورۂ فاتحہ کو پڑھنے کا ثواب تمام قرآن ختم کرنے کے ثواب کے برابر ہے۔ یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو احادیث اس سورۃ کی فضیلت کے سلسلے میں خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔ ابی بن کعب سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں یہ سورۃ پڑھی تو آپؐ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے یدِ قدرت میں میری جان ہے، خداوند کریم نے تورات، انجیل، زبور بلکہ خود قرآن میں بھی اس کی مثل نازل نہیں کی۔ یہ اُمّ الکتاب ہے اور یہی سبع مثانی ہے اور یہ اللہ اور بندے کے درمیان تقسیم شدہ ہے اور بندے کے لیے ہے جو وہ سوال کرے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن جابر انصاری سے حضور رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تجھے ایک ایسی سورت کی تعلیم دوں جس سے بہتر خداوند کریم نے کوئی سورت قرآن میں نازل نہ فرمائی ہو۔ جابر نے عرض کی جی ہاں، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ۔ پس آپ نے اس کو سورۂ حمد تعلیم فرمائی۔ پھر آپ نے فرمایا یہ موت کے سوا ہر مرض کے لیے شفا ہے۔

سورۂ فاتحہ کی فضیلت و خصوصیت کے سلسلے میں امیرالمومنین حضرت علیؓ کا ایک ارشاد خصوصاً قابلِ ذکر ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

علم ما کان و ما یکون کلہ فی القرآن و علم القرآن کلہ فی الفاتحہ[۸]

ماکان و مایکون کا تمام علم قرآن مجید میں ہے اور قرآن مجید کا تمام علم سورۂ فاتحہ میں ہے۔

---

[۷] ترجمان القرآن، جلد اوّل، ص ۶۷

[۸] مقامات النجات (از سید نعمت اللہ جزائری)۔ بحوالہ تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف از علامہ حسین بخش جاڑا (طبع اوّل ڈیرہ اسماعیل خاں) جلد دوم، ص ۲۸

سورۂ فاتحہ کی ایک اور فضیلت یہ ہے کہ اس میں شفا پنہاں ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق کا یہ ارشاد جہاں اس کی فضیلت کا ایک اہم باب ہے، وہاں اس کے ایک نام "الشفا" کا تسمیہ بھی۔ آپ فرماتے ہیں: جو الحمد پڑھنے سے تندرست نہیں ہوتا، وہ کسی چیز سے تندرست نہیں ہوسکتا۔ گویا یہ سورہ روحانی شفا کے ساتھ ساتھ جسمانی شفا کا بھی سرچشمہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ فیہا بفاتحۃ الکتاب" یعنی اس شخص کی نماز ہی نہ ہوئی جس نے فاتحۃ الکتاب یعنی سورۂ فاتحہ کو نہ پڑھا" اس کے روحانی درجات کی نشاندہی کے لیے کافی ہے۔ اس کی فضیلتوں کے تذکرے کے بعد اس سورۃ کے مضامین کا بھی مختصراً جائزہ لینا ضروری ہے۔

قرآن حکیم کے تمام مضامین انتہائی جامعیت اور اختصار کے ساتھ سورۂ فاتحہ میں موجود ہیں۔

الحمد: قرآن مجید میں خداوند کریم کی تمجید، تحمید، تسبیح، تقدیس، تکبیر وغیرہ جس قدر تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، لفظ الحمد ان کا اجمالی خاکہ ہے۔

للّٰہ: قرآن مجید میں جس قدر صفات جمال و کمال ذات احدیت کے لیے بیان ہوتے ہیں لفظ للّٰہ ان سب کا اجمال ہے۔

رب: قرآن مجید میں جہاں جہاں ربوبیت کا تفصیلی ذکر ہے لفظ رب میں سب اجمالاً موجود ہے۔

العالمین: قرآن مجید میں آسمانوں، زمینوں، جنوں، انسانوں، وحوش، طیور، انبیا، اولیا، بلکہ جمیع مصنوعات کی جس قدر تفصیل ہے وہ لفظ العٰلمین میں مضمر ہے۔

الرحمٰن: قرآن میں جس قدر رزق، انعام، احسان، اکرام وغیرہ مذکور ہیں لفظ الرحمٰن ان سب پر مشتمل ہے۔

الرحیم: کلام مجید میں جہاں کہیں وسعت رحمت اور گناہوں کی مغفرت کا ذکر ہے لفظ الرحیم سب کو شامل ہے۔

مالک: قرآن شریف میں خدا کی قدرت و عظمت، اس کی بقا و سرمدیت اور اس کا بے مثل و بے مثال اور لاشریک ہونا، یہ سب کچھ کلمۂ مالک میں جمع ہیں۔

یوم الدین: پورے قرآن میں جس قدر قیامت، مواقف حساب، نعمات و جملہ احوال بہشت، درکات و خطرات جہنم، میزان و صراط وغیرہ کے تفصیلی تذکرے ہیں، وہ لفظ یوم الدین میں سمٹے ہوئے ہیں۔

ایاک نعبد: جملہ عبادات جن کا قرآن میں ذکر ہے، اس کے اندر موجود ہے۔

ایاک نستعین: کلام اللہ میں ذکرِ استعانت، توکل و طلبِ مدد جہاں کہیں مذکور ہے، وہ ایاک نستعین میں مندرج ہے۔

اھدنا: قرآن میں ہدایت و ارشاد، دعا و سوال و تضرع وغیرہ کا جہاں ذکر ہے، اھدنا اس کا جامع ہے۔

الصراط المستقیم: قرآن پاک میں جملہ حلال و حرام، اوامر و نواہی اسی اجمال کی تفصیل ہیں۔

صراط الذین انعمت علیھم: کتاب پاک میں جس قدر نیک لوگوں کے حالات، ان کے طریقے، ان کے اسلوبِ عبادت، سیرت اور بلندیِ درجات وغیرہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، ان لفظوں میں اختصار کے ساتھ مندرج ہیں۔

غیر المغضوب علیھم: بنی اسرائیل کے حالات و قصص، ان کا کفرانِ نعمت، تکذیبِ انبیا و قتلِ انبیا اور ان کا گناہوں پر اصرار اور پھر ان پر غضبِ خدا و عذاب کا نزول قرآن میں جتنی تفصیل سے موجود ہے، وہ اس میں سمایا ہوا ہے۔

ولا الضالین: فرعونوں، جابر بادشاہوں، نصرانیوں، مشرکوں اور گمراہوں کی پوری قرآنی تفصیل کا یہ اجمالی عنوان ہے۔[۹]

سورۂ فاتحہ کے مضامین پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے ہی اس کی جامعیت و کاملیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے درست کہا ہے کہ "کائناتِ تعلیم و سعادتِ انسانی میں جو کچھ ہے، اس میں سب سے پہلی حقیقت یہی سورۃ اور اسی سورۃ کی سات آیتیں ہیں۔ اگر وہ ایک منزل ہے تو اس کی پہلی منزل یہی ہے۔ اگر وہ ایک جمال ہے تو اس کا پہلا نظارہ یہی ہے، اگر وہ ایک نغمۂ حقیقت ہے تو اس کا پہلا ترانہ اسی سے اٹھتا ہے، اگر وہ ایک وقت ہے تو اس کا پہلا دن اسی سے شروع ہوتا ہے، اگر وہ ایک درخت ہے تو اس کا اولین تخم اسی میں ہے، اور اگر وہ ایک دائرۂ سعادت ہے تو اس کا نقطہ اس کے سوا کوئی نہیں۔"[۱۰]

کتابِ عظیم کا یہ عظیم دیباچہ درحقیقت اسلامی عقائد و نظریات اور اعمال و عبادات کا بھی دیباچہ ہے اور اس دیباچے کی روشنی ہی میں ہم اپنی کتابِ زیست کو مرتب کر سکتے ہیں لیکن اس کے لیے بھی ہمیں اسی دیباچے کی ایک آیت کا سہارا لینا ہوگا ـــــ اھدنا الصراط المستقیم۔

---

[۹] انوار النجف فی اسرار المصحف، جلد دوم، ص ۸-۹ [۱۰] ترجمان القرآن، جلد اول، ص ۵۹

مطالعۂ حدیث : مولانا محمد حنیف ندوی

استشراق زدہ حضرات کا کہنا ہے کہ حدیث و سنت کی تدوین و تسوید تیسری صدی ہجری میں محض تاریخی عوامل کی بنا پر معرضِ وجود میں آئی۔ مولانا ندوی نے اس کتاب میں اس اعتراض کا محققانہ جواب دیا ہے اور بتایا ہے کہ حدیثِ نبوی کی اشاعت و فروغ اور حفظ و صیانت کا سلسلہ عہدِ نبوی سے لے کر صحاحِ ستہ کی تدوین تک ایک خاص قسم کا تسلسل لیے ہوئے ہے، جس میں شک و ارتیاب کی کوئی گنجائش نہیں پائی جاتی۔ انھوں نے حدیث کے علوم و معارف پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ یہ ایک مکمل سائنس ہے، جس میں رجال و رواۃ کی جانچ پرکھ کے پیمانوں کی تشریح کا اہتمام بھی کیا گیا ہے اور ان اصولوں کی نشان دہی بھی کی گئی ہے جن سے محدثین نے متن کی صحت استواری کا تعین کیا ہے۔ اسلام میں حدیث و سنت کا جو درجہ ہے، اس کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔

صفحات ۱۲+۲۱۵ قیمت ۲۵ روپے

برِ صغیر پاک و ہند میں علمِ فقہ : محمد اسحاق بھٹی

اس کتاب میں سلطان غیاث الدین بلبن (۶۸۶ھ) کے عہد سے لے کر سلطان اورنگ زیب عالم گیر (۱۱۱۸ھ) کے عہد تک کی تمام فقہی مساعی کا احاطہ کیا گیا ہے اور تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ برِ صغیر پاک و ہند علمِ فقہ سے کس طرح روشناس ہوا، یہاں کے علما و زعما نے کس محنت و جاں فشانی سے اس کی ترویج و اشاعت کا اہتمام کیا اور کن اہم فقہی کتابوں کی تدوین کی۔ برِ صغیر پاک و ہند کے جن سلاطین کے دورِ حکومت میں کتبِ فقہ مرتب کی گئیں، ان کے عہد اور طریقِ حکومت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، اس زمانے کے علمائے کرام کے حالات بھی بیان کیے گئے ہیں اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ یہ حکمران علم و علما سے کس درجہ تعلق و ربط رکھتے تھے۔ پھر فقہ کی جن کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے، ان کے اہم اقتباسات بھی فاضل مصنف نے درج کتاب کیے ہیں۔ آخر میں فقہ کی ان مشہور اکیاسی کتابوں کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں، جو مختلف ملکوں میں تصنیف کی گئیں اور جن کو مسائلِ فقہ کے ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس موضوع سے متعلق اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے۔

صفحات ۴۰۸ قیمت ۲۰ روپے

ملنے کا پتا : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور